قانونِ توہینِ رسالت کے نفاذ میں مطلوب احتیاطیں

(Precautions required in enforcing the Blasphemy Law)

* ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

** ڈاکٹر محمود احمد

***محمد مدثر

Abstract

According to Islamic law, blasphemy is punishable by death, but it is necessary to investigate whether a person who is being accused of blasphemy has really committed blasphemy? The carelessness in our society in this regard leads to many complex religious and social problems. In this context, the present article deals with the precautions required in enforcing the blasphemy law. The study finds that in our society, people often make false or erroneous accusations due to various religious and social differences or ignorance. So, there is a need to make people aware that they should take legal action in this regard, and in any case do not take the law into their own hands. Those who kill someone for blasphemy by taking law in their hands should be punished according to the law.

Key Words: Blaspheme, law, enforcement, *Sharī'ah*, precautions

جرم توہینِ رسالت کیا ہے؟ اس کا تعین متعدد اہلِ علم نے اپنے اپنے انداز سے کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً علامہ ابن تیمیہ کے مطابق: **الكلام الذي يُقصد به الانتقاص والاستخفاف وهو ما يفهم منه السبّ في عقول الناس على اختلاف**

* اسسٹنٹ پروفیسر ادارہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

**اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

*** لیکچرر اسلامیات، گورنمنٹ ڈگری کالج ڈنگہ، گجرات

اعتقاداتهم كاللعن والتقبيح ونحوه[1]"ایسا کلام جس سے نیچا کرنا اور ہلکا دکھانا مقصود ہو اور لوگوں کی عقلیں اپنے عقائد کے اختلاف کے باجود اس کو گالی سمجھیں جیسا کہ لعن وطعن یا برا بھلا کہنا وغیرہ۔"اسی طرح دیگر علما نے بھی اس کا تعین کرنے کی کوشش کی ہے۔[2] جہاں تک شریعتِ اسلامیہ میں توہینِ رسالت پر سزائے موت کا تعلق ہے تو یہ اہلِ اسلام کے یہاں ایک معروف و مقبول موقف ہے، جس پر رویات و احادیث سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے، اور بہت سے علما نے بھی اسے مختلف حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ مثلاً سیدنا ابو برزہ نے بیان کیا ہے: **كنت عند ابى بكر رضى الله عنه، فتغيظ عليى رجل، فاشتد عليه، فقلت: تاذن لى يا خليفة رسول الله ﷺ اضرب عنقه! قال: فاذهبت كلمتى غضبه، فقام، فدخل ، فارسل الى، فقال: ماالذى قلت انفا؟ قلت: ائذن لى اضرب عنقه، قال: اكنت فاعلا لو امرتك؟ قلت: نعم، قال: لا والله ما كانت لبشر بعد محمد ﷺ**۔[3]"میں سیدنا ابوبکر صدیق کے پاس تھا کہ وہ کسی آدمی پر ناراض ہوئے اور بہت زیادہ ناراض ہوئے ۔ میں نے کہا :اے خلیفہ رسول! اجازت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار ڈالوں؟تو میری اس بات نے اُن کا سب غصّہ زائل کر دیا۔ پھر وہ وہاں سے اُٹھ کر گھر چلے گئے اور مجھے بلوا بھیجا اور کہا: تم نے ابھی کیا کہا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے کہا تھا: مجھے اجازت دیں کہ میں اس کی گردن مار دوں۔ فرمایا: اگر میں تجھے ایسے کہہ دیتا تو کیا واقعی تم یہ کر گزرتے ؟میں نے کہا: ہاں۔ فرمایا نہیں، اللہ کی قسم! سیدنا محمد ﷺ کے بعد کسی بشر کو یہ مقام حاصل نہیں ۔" توہینِ رسالت کی سزا پر صحابہ کرام کا اجماع ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: "نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کا یہی فیصلہ ہے جس کا صحابہ کرام میں سے کوئی بھی مخالف نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اس حکم کی مخالفت سے بچائے رکھا۔ اس ضمن میں دس سے اوپر احادیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہیں جن میں صحیح، حسن اور مشہور احادیث شامل ہیں اور اس مسئلہ پر اجماعِ صحابہ کرام ہے۔ اس باب میں صحابہ کرام سے مروی آثار تو بہت زیادہ ہیں اور ایک سے زائد ائمہ اسلاف سے شاتم کے سزائے قتل پر اجماع کی صراحت بھی منقول ہے۔ ہمارے اُستاد شیخ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ سب اُمور صدرِ اوّل میں صحابہ کرام اور تابعین کے اجماع پر دلالت کرتے ہیں۔ ہمارا یہاں آپ کو سبّ وشتم کرنے والے بدبخت کے لیے آپ ﷺ کا حکم اور فیصلہ کو بیان کرنا ہی مقصود ہے۔"[4]

---

[1] شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ،الصارم المسلول علی شاتم الرسول(الریاض:الحرس الوطنی،ب ت)، 541،561 ۔

[2] مثلاً دیکھیے: قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ(بیروت:مؤسسۃ الرسالۃ،ب ت)،2: 932 ۔

[3] ابو داؤد سلیمان بن اشعث، **سنن أبي داؤد، كِتَابُ الْحُدُودِ، بَابُ الْحُكْمِ فِيمَنْ سَبَّ النَّبِيَّ ﷺ** (ریاض: دار السلام،1999ء)، رقم: 4363۔

[4] حافظ ابن قیم جوزیہ، زاد المعاد (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ،1994ء)،5: 59۔

کسی شخصیت کی توہین کا مسئلہ اسلام میں ایک گناہ سے بڑھ کر ایک جرم[5] ہے کہ جس میں کسی ذات سے ایسی بات کو منسوب کیا جاتا ہے جو اس میں نہیں پائی جاتی۔ چنانچہ یہ بہتان[6] ہونے کے ناطے ایک قابل سزا جرم بھی ہے۔ گویا اس میں اللہ کے حق کے ساتھ، متاثرہ ذات کی حق تلفی بھی پائی جاتی ہے۔ جس طرح چوری اور بدکاری محض توبہ اور مسروقہ شے واپس کرنے یا نکاح کر لینے سے معاف نہیں ہو جاتے، بلکہ اس میں سزا کے بغیر چارہ نہیں ہوتا، اسی طرح اہانت ایسی تہمت یا بہتان ہے جو کسی ذات کے شخصی حق میں مداخلت اور زیادتی کا ارتکاب ہے۔ اس کی معافی وہی ذات ہی دے سکتی ہے جس کے حق میں یہ زیادتی کی گئی۔ پھر تیسرے حق اُمت کے ناطے، پوری امتِ محمدیہ کے جو سینے چھلنی کیے جاتے ہیں، اس کی معافی بھی اجماعِ امت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ جہاں تک دور نبوی میں اس کی معافی کے امکانات کی بات ہے تو حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: "جہاں تک آپ ﷺ کا اس بدبخت کو چھوڑ دینا ہے جس نے آپ ﷺ کے وصفِ عدل میں یہ کہہ کر الزام تراشی کی تھی کہ " آپ ﷺ انصاف فرمایے، آپ نے انصاف نہیں کیا۔ اور جس نے آپ کے فیصلہ میں یہ کہہ کر بداعتمادی ظاہر کی تھی کہ "یہ اس لیے آپ ﷺ نے کیا ہے کہ وہ آپ کی پھوپھی کا بیٹا ہے [اس لیے آپ کا فیصلہ اس کے حق میں ہے]۔" اور جس نے آپ کے ارادہ میں یہ کہہ کر عیب جوئی کی تھی کہ "آپ ﷺ نے اس تقسیم کے ذریعے اللہ کی رضا پوری نہیں کی۔" اور جس نے آپ کی حکومت پر یوں طعنہ طرازی کی تھی کہ "آپ تو گمراہی سے روکتے ہیں لیکن خود اس کو گوارا کرتے ہیں۔" تو ان گستاخیوں کو نظرانداز کرنے کا سبب یہ تھا کہ اپنی توہین کو معاف کر دینا آپ کا حق تھا، آپ چاہتے تو اس کا پورا بدلہ لیتے اور چاہتے تو اسے چھوڑ دیتے، تاہم آپ کی اُمت کے لئے آپ کے حق کی تکمیل چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں۔ مزید برآں اس جیسے واقعات اوّلین دور کے ہیں جب آپ ﷺ معافی اور درگزر کرنے کا حکم دیے گئے تھے۔ اس وقت آپ تالیفِ قلب، کلمہ اسلام کو مجتمع رکھنے اور لوگوں کے متنفر ہو جانے کے ڈر سے معافی کا راستہ اختیار کیا کرتے اور اس لئے بھی کہ دشمن یہ نہ کہتے پھریں کہ آپ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ الغرض شتم رسول پر تمام قسم کی معافیاں آپ کی حیاتِ طیبہ سے ہی مخصوص ہیں۔"[7]

شریعتِ اسلامیہ کی اس پوزیشن کے ساتھ ساتھ پاکستان میں بھی توہین رسالت کا قانون موجود ہے، جس کی متعلقہ دفعات کچھ اس طرح سے ہیں: **دفعہ 295 (الف):** کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تذلیل کے ذریعے اس کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کی نیت سے کینہ وارانہ اور ارادی افعال: جو کوئی شخص (پاکستان کے شہریوں کی) کسی جماعت کے مذہبی جذبات کی بے حرمتی کرنے کے ارادی اور کینہ وارانہ مقصد سے الفاظ کے ذریعہ خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا دکھائی دینے والے

---

[5] شیخ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: أن سبّ الرسول ﷺ جناية لها موقع يزيد على سائر الجنايات بحيث يستحق صاحبها من العقوبة ما لا يستحقه غيره۔ (الصارم المسلول: ص 291) "شتم رسول کے جرم کی سنگینی تمام جرائم سے بڑھ کر ہے کیونکہ اس کا مرتکب اتنی بڑی سزا کا مستحق ہے جو دیگر جرائم میں نہیں۔"

[6] جیسا کہ پیچھے نکتہ نمبر 4 میں امام ابوبکر کی زبانی اس کو فتح الباری میں ذکر کیا گیا ہے۔

[7] ابن القیم، زاد المعاد، 5: 59۔

خاکوں کے ذریعے مذکورہ جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی تذلیل کرے یا تذلیل کرنے کی کوشش کرے تو اسے کسی ایک قسم کی سزا اتنی مدت کے لیے دی جائے گی جو دو سال تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ **دفعہ 295 (ب)**: قرآن پاک کے نسخے کی قصداً بے حرمتی وغیرہ کرنا: جو کوئی قرآن پاک کے نسخے یا اس کے کسی اقتباس کی عمداً بے حرمتی کرے، اس کا نقصان یا بے ادبی کرے یا اسے توہین آمیز طریقے سے یا کسی غیر قانونی مقصد کے لیے استعمال کرے تو وہ عمر قید کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ **دفعہ 295 (ج)**: پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں توہین آمیز الفاظ وغیرہ استعمال کرنا: جو کوئی الفاظ کے ذریعے خواہ زبانی ہوں یا تحریری یا نقوش کے ذریعے، یا کسی تہمت، کنایہ یا درپردہ تعریض کے ذریعے بلاواسطہ یا بالواسطہ رسول پاک حضرت محمد ﷺ کے پاک نام کی توہین کرے گا تو اسے موت یا عمر قید کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کی سزا کا بھی مستوجب ہوگا۔[8]

شریعت اور پاکستانی قانون کی اس پوزیشن کے ہوتے ہماری سوسائٹی میں اس ضمن میں ایک نہایت ہی خطرناک رجحان یہ ہے کہ لوگ اس ضمن میں شریعتِ اسلامیہ کے مقاصد اور ان احتیاطوں کو اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں جن کا لحاظ رکھنا شرعاً ضروری ہے۔ اس تناظر میں زیر نظر مضمون میں ان احتیاطوں کو موضوع بنایا گیا ہے، تاکہ معاشرے کو خطرناک مذہبی و معاشرتی مسائل اور الجھنوں سے محفوظ رکھنے میں مدد فراہم ہو۔ ان احتیاطوں کو اہم نکات کی صورت میں سامنے لایا جا رہا ہے۔

مستند علماء کمیٹی: جب اور جس جگہ بھی اس جرم کا اطلاق کیا جائے، وہاں ضروری ہے کہ اہانتِ رسول کا جرم واقعتاً صراحت کے ساتھ موجود ہو۔ بسا اوقات اپنے ذاتی رجحانات سے بعض لوگ پیغمبر اسلام کا ایک تقدس تشکیل دے لیتے ہیں اور پھر اس اپنے بنائے ہوئے تصور کے خلاف جب کوئی بات کرے تو اس کو توہین رسالت کا مجرم قرار دے دیا جاتا ہے، سو اس سلسلے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی شان اقدس وہی ہے جس کو قرآنِ کریم اور آپ کی احادیثِ مبارکہ نے بیان کیا۔ اپنے پاس سے آپ کی شان و مقام کو متعین کر لینے سے بحث کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ بعض لوگ آپ ﷺ کو بشر کہنا توہین بنا لیتے ہیں جبکہ قرآن و حدیث میں متعدد مقام پر آپ کو بشر قرار دیا گیا ہے، پھر 'عید میلاد النبی' کے اشتہار کو پھاڑنا بھی توہین رسالت سمجھ بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ توہین رسالت کے جرم کی تحقیق کے لیے اس امر کی ضرورت ہے کہ مختلف مسالک کے منتخب علما کا ایک بورڈ اس جرم کا جائزہ لے اور اس سے قبل کسی کے لیے اس جرم کا الزام بھی جائز نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ جس شخص پر بھی یہ الزام لگا دیا جاتا ہے، لوگ اپنے تئیں جذباتی ہو کر اس کی زندگی کا فیصلہ کرنے میں جلدی کرتے ہیں، اور یہ سراسر قابل اصلاح رویّہ ہے۔ چنانچہ اس نوعیت کے جرائم کے لئے تھانے میں ایف آئی آر کے اندراج کے بجائے، ہر ضلع کی سطح پر متعین کردہ علما کے ہاں رپورٹ ہو، یا تھانے صرف اس کو فارورڈ کرنے کا کردار ادا کریں، لیکن اس جرم کا اندراج صوبائی سطح پر جملہ مسالک کے معتمد علما کے ایک

---

[8] مجموعہ تعزیرات پاکستان کی دفعہ 295 اور اس کی ذیلی دفعات کا متن۔

بورڈ کے پاس ہو جسے صوبائی وزارتِ مذہبی امور کے متحدہ علما بورڈ کے ساتھ ہی تشکیل[9] دیا جاسکتا ہے کیونکہ ایک حساس جرم کا امکان وتعین بھی علمی اہلیت کا متقاضی[10] ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل نفرت آمیز کتب پر گرفت کا مسئلہ بھی تھانوں کی بجائے متحدہ علما بورڈ کے سپرد کیا گیا ہے، تاکہ پولیس کی من مانی اور لوگوں کی من پسند خواہشات کا راستہ بھی روکا جاسکے۔ یہ طریق کار صرف اس جرم کے اندراج کے لیے ہے، پھر علما بورڈ کے ہاں اندراج ہوجانے کے بعد وفاقی شرعی عدالت میں جرم کی نوعیت اور اس کی سزا یا بریت کا پورا قضیہ مکمل کیا جائے۔

وقوعِ جرم کا ثبوت: کسی شخص پر توہین رسالت کے الزام کے ثبوت کے لئے ان مراحل کا بھی جائزہ لیا جائے جن کو ایک جج جرم کے وقوع کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ چنانچہ ایسا کرنے والے کی نیت اور ذہنی کیفیت کو بھی پیش نظر رکھا جائے کیونکہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے اور سبقتِ لسانی یا 'شرعاً معتبر ارادے کے بغیر' ہوجانے والی گستاخی کا پہلو بھی نظر انداز نہ کیا جائے، اور ایسا کرنے والے کے دیگر رجحانات ومعمولات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جیسا کہ پاکستانی قانون میں بھی 'قصداً' کی شرط موجود ہے۔ تاہم اگر کوئی شخص دین گریز رجحانات کا مالک ہو تو اس کو نیت یا ارادے کا فائدہ نہیں دیا جاسکتا، جیسا کہ امام تقی الدین علی سبکی شافعی (م 756ھ) لکھتے ہیں: **وَقَدْ ذَكَرْت فِي كِتَابِي الْمُسَمَّى بِالسَّيْفِ الْمَسْلُولِ أَنَّ الضَّابِطَ أَنَّ مَا قُصِدَ بِهِ أَذَى النَّبِيِّ ﷺ فَهُوَ مُوجِبٌ لِلْقَتْلِ كَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أُبَيٍّ وَمَا لَمْ يُقْصَدْ بِهِ أَذَى النَّبِيِّ ﷺ لَا يُوجِبُ الْقَتْلَ كَمِسْطَحٍ وَحَمْنَةَ. أَمَّا سَبُّ النَّبِيِّ ﷺ فَالْإِجْمَاعُ مُنْعَقِدٌ عَلَى أَنَّهُ كُفْرٌ، وَالِاسْتِهْزَاءُ بِهِ كُفْرٌ.**[11] "میں نے اپنی کتاب 'السیف المسلول' میں یہ اُصول پیش کیا ہے کہ جو شخص کسی فعل سے نبی کریم ﷺ کو اذیت دینا چاہتا ہو تو ایسا بدبخت واجب القتل ہے، جیسا کہ عبد اللہ بن اُبی تھا اور جس شخص کا یہ ارادہ نہ ہو تو اس صورت میں اس کی سزا قتل نہیں ہوگی جیسا کہ مسطح اور حمنہ کا معاملہ ہے [جنہوں نے سیدہ عائشہؓ پر افک میں شرکت کی تھی]۔ جہاں تک شتم رسول کی بات ہے تو اس فعل کے کفر ہونے پر اجماع منعقد ہوچکا ہے اور آپ ﷺ کا تمسخر اُڑانا بھی کفر ہی ہے۔" چنانچہ کعب بن اشرف کو توہین رسالت کے بعد نبی کریم ﷺ کے حکم کی بنا پر قتل کرنے والے محمد بن مسلمہ نے بھی ایسے ناروا کلمات بولے تھے جس سے ان کا مقصد کعب بن اشرف کے قتل کا راستہ ہموار کرنا تھا۔ چونکہ اُن کی نیت غلط نہ تھی، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اُنہیں اُس کی اجازت دی: **فَقَامَ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ! أَتُحِبُّ أَنْ أَقْتُلَهُ؟ قَالَ: «نَعَمْ». قَالَ: فَأْذَنْ لِي أَنْ أَقُولَ شَيْئًا قَالَ: «قُلْ». فَأَتَاهُ مُحَمَّدُ بْنُ مَسْلَمَةَ. فَقَالَ: إِنَّ هَذَا الرَّجُلَ قَدْ سَأَلَنَا صَدَقَةً وَإِنَّهُ قَدْ عَنَّانَا وَإِنِّي قَدْ أَتَيْتُكَ أَسْتَسْلِفُكَ قَالَ وَأَيْضًا وَاللَّهِ لَتَمَلُّنَّهُ قَالَ إِنَّا قَدْ اتَّبَعْنَاهُ فَلَا نُحِبُّ أَنْ نَدَعَهُ حَتَّى**

---

[9] ایسی ہی سفارش علمائے کرام کے اس مراسلے میں بھی ملاحظہ کریں جو سینٹ کو بھیجا گیا۔ (دیکھیں شمارہ محدث، اپریل 2017ء: 39۔

[10] جیسا کہ صحابہ کرام بھی ایسے واقعات کے سلسلے میں نبی ﷺ سے پہلے فیصلہ کرواتے تھے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

[11] السبکی، فتاوی سبکی (بیروت: دار المعارف، س ن)، 2: 573۔

نَنْظُرَ إِلَى أَيِّ شَيْءٍ يَصِيرُ شَأْنُهُ.[12] "محمد بن مسلمہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ ! کیا آپ اجازت دیں گے کہ میں اسے قتل کر آؤں؟آپ نے فرمایا، ہاں مجھے یہ پسند ہے۔اُنھوں نے عرض کیا: پھر آپ مجھے اجازت عنایت فرمائیں کہ میں اس سے کچھ باتیں کہوں۔آپ نے اُنہیں اجازت دے دی۔اب محمد بن مسلمہ کعب بن اشرف کے پاس آئے اور اس سے کہا : یہ شخص (اشارہ حضوراکرم ﷺ کی طرف تھا) ہم سے صدقہ مانگتا رہتا ہے اور اس نے ہمیں تھکا مارا ہے، اس لیے میں تم سے قرض لینے آیا ہوں۔اس پر کعب نے کہا، ابھی آگے دیکھنا، خدا کی قسم! بالکل اکتا جاؤ گے۔محمد بن مسلمہ نے کہا، چونکہ ہم نے بھی اب ان کی اتباع کرلی ہے ، اس لیے جب تک یہ نہ کھل جائے کہ ان کا انجام کیا ہوتا ہے، انہیں چھوڑنا بھی مناسب نہیں۔"ایسے ہی جس مسافر نے فرطِ مسرت میں اللہ تعالیٰ کو اپنا بندہ کہہ دیا تھا، تو اس کے اس جملے کی گرفت سبقت لسانی کی بنا پر نہ کی گئی، بلکہ سیاق مدح میں اس جملے کو حدیث میں بیان کیا گیا ہے :**اللهم أنت عبدي وأنا ربك، أخطأ من شدة الفرح۔**[13]"باری تعالیٰ! تو میرا بندہ اور میں تیرا ربّ ہوں، فرطِ مسرت میں وہ غلط جملے بول دیتا ہے۔" معلوم ہوا کہ ناروا الفاظ میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اس کا اعتبار کیا ہے۔جب تک اہانتِ رسول صریح نہ ہو تو اس وقت تک بھی سزاے قتل حتمی نہیں ہوتی، جیسا کہ امام بخاری نے سیدنا انسؓ بن مالک کی یہ حدیث بیان کی ہے:

> **يَقُولُ مَرَّ يَهُودِيٌّ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ: السَّامُ عَلَيْكَ. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «وَعَلَيْكَ» فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «أَتَدْرُونَ مَا يَقُولُ، قَالَ السَّامُ عَلَيْكَ». قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَلَا نَقْتُلُهُ؟ قَالَ: «لَا، إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا وَعَلَيْكُمْ»**[14]
>
> ایک یہودی نبی ﷺ پر گزرا، کہنے لگا: السّام علیک یعنی تم مرو۔آں حضرت ﷺ نے جواب میں صرف وَعَلَیکَ کہا(تو بھی مرے گا)۔پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا :تم کو معلوم ہوا، اس نے کیا کہا؟ اس نے السّام علیک کہا۔صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ! (حکم ہو تو) اُس کو مار ڈالیں۔آپ نے فرمایا: نہیں۔جب اہل کتاب یہود اور نصاریٰ تم کو سلام کیا کریں تو تم اتنا ہی کہا کرو: وَعَلَیکُم۔

اس حدیث پر امام بخاری نے یہ عنوان قائم کرکے بَابُ إِذَا عَرَّضَ الذِّمِّيُّ وَغَيْرُهُ بِسَبِّ النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ يُصَرِّحْ نَحْوَ قَوْلِهِ: السَّامُ عَلَيْكَ جب کوئی غیر مسلم نبی کریم ﷺ کی ایسی توہین کرے جس میں صراحت نہ ہو مثلاً السام علیک وغیرہ کہنا" اور

---

[12] امام محمد بن اسماعیل بخاری،صحیح البخاري :كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ قَتْلِ كَعْبِ بْنِ الأَشْرَفِ: رقم 4037۔

[13] امام مسلم بن حجاج قشیری،صحیح مسلم:كتاب التوبة: باب في الحث على التوبة،رقم 2747۔

14 صحيح البخاري :كِتَابُ اسْتِتَابَةِ المُرْتَدِّينَ وَالمُعَانِدِينَ وَقِتَالِهِمْ: بَابُ إِذَا عَرَّضَ الذِّمِّيُّ وَغَيْرُهُ بِسَبِّ النَّبِيِّ ﷺ وَلَمْ يُصَرِّحْ نَحْوَ قَوْلِهِ: السَّامُ عَلَيْكَ، رقم 6926۔

اس کے بعد مذکورہ حدیث بیان کرکے یہ استدلال کیا ہے کہ غیر واضح توہین کو بھی نظرانداز کیا جائے گا۔ اور درج ذیل احادیث بھی اسی سے ملتی جلتی ہیں جن میں قابل سزا توہین کے بارے میں اشکال پایا جاتا تھا، چنانچہ ایک شخص نے سیدنا علیؓ کے یمن سے بھیجے ہوئے سونے کی تقسیم کے وقت محروم ہونے پر نبی کریم ﷺ پر اعتراض کیا تو سیدنا خالد بن ولید نے آپ ﷺ سے اجازت مانگی: **كُنَّا نَحْنُ أَحَقَّ بِهَذَا مِنْ هَؤُلاَءِ، قَالَ :فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ:«أَلاَ تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ، يَأْتِينِي خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَمَسَاءً»، ... فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ اتَّقِ اللَّهَ، قَالَ: «وَيْلَكَ، أَوَلَسْتُ أَحَقَّ أَهْلِ الأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللَّهَ» قَالَ: ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ، قَالَ خَالِدُ بْنُ الوَلِيدِ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلاَ أَضْرِبُ عُنُقَهُ؟ قَالَ: «لاَ، لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي» فَقَالَ خَالِدٌ :وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلاَ أَشُقَّ بُطُونَهُمْ»**[15]"ان لوگوں سے زیادہ ہم اس سونے کے مستحق تھے۔ جب آں حضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ "تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے حالانکہ اس اللہ نے مجھ پر اعتبار کیا ہے جو آسمان پر ہے اور اس کی جو آسمان پر ہے، وحی میرے پاس صبح وشام آتی ہے۔" ...ایک شخص کہنے لگا: یارسول اللہ! "اللہ سے ڈریے۔" آپ نے فرمایا: افسوس تجھ پر، کیا میں اس روئے زمین پر اللہ سے ڈرنے کا سب سے زیادہ مستحق نہیں ہوں۔ پھر وہ شخص چلا گیا ۔خالد بن ولید نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں کیوں نہ اس شخص کی گردن مار دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔ اس پر خالد نے عرض کیا کہ بہت سے نماز پڑھنے والے ایسے ہیں جو زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان کے دل میں وہ نہیں ہوتا ۔ آپ انے فرمایا: مجھے اس کا حکم نہیں ہوا کہ لوگوں کے دلوں کی کھوج لگاؤں اور نہ اس کا حکم ہوا کہ ان کے پیٹ چاک کروں ۔"اور سیدنا عمرؓ بن خطاب نے بھی ایسے ہی ایک واقعے میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا: **بَيْنَا النَّبِيُّ ﷺ يَقْسِمُ جَاءَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ ذِي الْخُوَيْصِرَةِ التَّمِيمِيُّ فَقَالَ اعْدِلْ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَقَالَ «وَيْلَكَ وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَعْدِلْ» قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَهُ قَالَ: «دَعْهُ فَإِنَّ لَهُ أَصْحَابًا يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلاَتَهُ مَعَ صَلاَتِهِ وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِ يَمْرُقُونَ مِنْ الدِّينِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنْ الرَّمِيَّةِ.**[16]"نبی کریم ﷺ تقسیم فرمارہے تھے کہ عبداللہ بن ذی الخویصرہ تمیمی آیا اور کہا: یا رسول اللہ! انصاف کیجیے۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: افسوس اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ اس پر حضرت عمر بن خطاب نے کہا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن ماردوں۔ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اس کے کچھ ایسے ساتھی ہوں گے کہ ان کی نماز اور روزے کے سامنے تم اپنی نماز اور روزے کو حقیر سمجھوگے لیکن وہ دین سے اس طرح باہر ہوجائیں گے جس طرح تیر جانور میں سے باہر نکل جاتا ہے۔"

پیش نظر تینوں واقعات میں (جن میں سے پہلے سے امام بخاری نے بھی استدلال کیا ہے) صحابہ کرام کے نبی ﷺ سے

---

15 صحيح البخاري: كِتَابُ المَغَازِي، بَابُ بَعْثِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ عَلَيْهِ السَّلاَمُ رقم 4351۔

16 صحيح البخاري: كِتَابُ اسْتِتَابَةِ المُرْتَدِّينَ وَالمُعَانِدِينَ وَقِتَالِهِمْ: بَابُ مَنْ تَرَكَ قِتَالَ الخَوَارِجِ: رقم 6933۔

دریافت کرنے، اجازت طلب کرنے (أَلَا نَقْتُلُهُ؟، أَلَا أَضْرِبُ عُنُقَهُ؟اور دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَهُ) کا مطلب یہ ہوا کہ قابل سزا توہین کا فیصلہ صحابہ کرام خود ہی نہیں کرلیا کرتے تھے بلکہ نبی کریم (جو قاضی بھی تھے) سے دریافت کرتے تھے۔ چنانچہ توہین رسالت کے سلسلے میں یہ واضح ہونا چاہیے کہ کیا یہ توہین بنتی بھی ہے یا نہیں؟ اگر یہ قابل سزا توہین نہیں ہے تو پھر نظر انداز کیا جائے۔ مزید برآں آپ سے یہ بھی دریافت کرتے کہ اس کی سزا دی جائے یا نہیں جیسا کہ صحابہ کرام کے عمل سے پتہ چلتا ہے۔ اور فی زمانہ ان اُمور کا جائزہ لینے کے لیے جمیع مسالک کے مستند علماے کرام کی ایک مجاز کمیٹی کا ہونا ضروری ہے۔ مذکورہ بالا احادیث کی ایک توجیہ تو یہ ہے کہ ان میں توہین صریح یا قابل سزا نہیں تھی، جیسا کہ ذکر ہوا اور بعض علما نے آخری دو احادیث (سیدنا خالد و عمر) کی دوسری توجیہ یہ بھی کی ہے کہ ان میں توہین رسالت کا ارتکاب تو تھا، تاہم نبی کریم ﷺ نے اُنہیں معاف کیا اور حیاتِ طیبہ میں خود معاف کرنا آپ ﷺ کے لئے ممکن تھا، اب معاف کرنا ممکن نہیں جیسا کہ پیچھے حافظ ابن قیم کا قول گزرا اور امام ابن تیمیہ بھی لکھتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ اہانتِ رسول کا ارتکاب محرماتِ الٰہیہ کو پامال کرنے سے بھی بڑا گناہ ہے تاہم جب اس میں آپ ﷺ کا حق داخل ہے، تو معاف کرنا یا بدلہ لینا آپ کی صوابدید ٹھہرا۔ سو نبی کریم ﷺ کبھی معاف فرما دیتے، اور جب قرین مصلحت سمجھتے تو قتل کا بھی حکم دیا کرتے، برخلاف چوری، زنا اور دوسروں پر ظلم وغیرہ جرائم کے، کہ ان کی سزا دینا آپ ﷺ پر (بحکم الٰہی) واجب تھا۔ اور آپ کے صحابہ کرام جب کسی شخص کو آپ کو اذیت دیتا دیکھتے تو اس کو مستحق قتل سمجھتے ہوئے اس کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیتے تو آپ ﷺ اس کو نظر انداز کرتے اور جوازِ قتل کو برقرار رکھتے ہوئے یہ واضح فرمادیتے کہ اس کو معاف کرنا زیادہ مناسب ہے۔ اگر کوئی صحابی نبی کریم ﷺ کی معافی سے پہلے ہی قتل کردیتا، تو نبی کریم ﷺ اس بنا پر اس کو تنبیہ نہ فرماتے کہ اس نے دراصل اللہ اور اس کے رسول کی مدد کی ہے، جیسا کہ سیدنا عمر نے اس شخص کو قتل[17] کردیا جو نبی کریم ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ تھا، اور ایک صحابی نے مشرکہ عصما[18] بنتِ مروان اور دوسرے نے شاتمہ یہودیہ[19] کو قتل کردیا۔ الغرض نبی کریم ﷺ کی وفات

---

[17] اس واقعہ کے بعد حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا: وهو أثر غريب مرسل، وابن لهيعة ضعيف اور تفسیر کشاف کی روایات کی تحقیق کرتے ہوئے حافظ زیلعی لکھتے ہیں: وهو مرسل، وابن لهيعة ضعيف. چنانچہ یہ روایت اِرسال اور ابن لہیعہ کے ضعف کی بنا پر غیر مقبول ہے جبکہ اس کی یہی ایک سند ہے اور کلبی کے طریق سے آنے والی سند منقطع ہے اور کلبی خود بھی متہم بالکذب ہے۔ اور حافظ ابن تیمیہ اس قصہ کو ذکر کرکے امام احمد کا یہ قول بیان کرتے ہیں کہ میں ابن لہیعہ کی روایات کو تائید سے زیادہ حیثیت نہیں دیتا اور اس کی روایت اکیلے معتبر نہیں۔ كأني أستدل به مع غيره يشده لا أنه حجة إذا انفرد (الصارم المسلول: 39)۔

[18] قَالَ: نَعَمْ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللهِ... فَالْتَفَتَ النَّبِيّ ﷺ إِلَى مَنْ حَوْلَهُ فَقَالَ: «إِذَا أَحْبَبْتُمْ أَنْ تَنْظُرُوا إِلَى رَجُلٍ نَصَرَ اللهَ وَرَسُولَهُ بِالْغَيْبِ فَانْظُرُوا إِلَى عُمَيْرِ بْنِ عَدِيٍ (المغازی للواقدی، 1: 174، الصارم المسلول، 1: 104) اس روایت کو ابن الجوزی نے الموضوعات میں بیان کیا۔(3: 18)، شیخ البانی نے السلسلہ الضعیفہ میں 6013 کے تحت موضوع قرار دیا۔

کے بعد جب آپ کا معافی دینا ممکن نہ رہا تو یہ صرف اللہ، رسول اور مؤمنین کا حق بن گیا جس کے حق دار اَب معاف نہیں کر سکتے، چنانچہ توہین رسالت پر سزائے موت کو نافذ کرنا واجب ہو گیا۔[20]

قانون کو ہاتھ میں لینے کے جواز کا مسئلہ: لوگوں میں یہ علم اور موقف عام کیا جائے کہ توہین رسالت کے حوالے سے قانون کو ہاتھ میں لینا جائز نہیں۔ اور اس سلسلے میں کوئی آیتِ کریمہ یا حدیثِ مبارکہ ایسی نہیں جو عام شخص کو توہین رسالت پر قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت یا حکم دینے پر مشتمل ہو۔ بلکہ نبی کریم ﷺ نے قانون کو ہاتھ میں لینے کی صریحاً اجازت نہیں دی، جیساکہ ابوہریرہ سے مروی ہے:

> **أَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ الْأَنْصَارِيَّ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَرَأَيْتَ الرَّجُلَ يَجِدُ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ؟ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «لَا». قَالَ سَعْدٌ: بَلَى، وَالَّذِي أَكْرَمَكَ بِالْحَقِّ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «اسْمَعُوا إِلَى مَا يَقُولُ سَيِّدُكُمْ.**[21]
>
> سعد بن عبادہ انصاریؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ غیر آدمی کو دیکھ لے تو کیا اسے قتل کر دے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ سعد بولے: کیوں نہیں، اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق مبعوث کیا۔ تو نبی کریم ﷺ نے کہا: سنو! تمہارا سردار (سعد) کیا کہتا ہے۔

گویا آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن عبادہ کو قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہ دی۔ جب اسلام میں قانون کو ہاتھ میں لینے کی کوئی گنجائش نہیں اور اس سلسلے میں آنے والی احادیثِ مبارکہ[22] سے اسی قدر علم ہوتا ہے جیساکہ سیدنا ابو بکر صدیق کے واقعے میں بھی ابو برزہ نے گردن مارنے کی اجازت طلب کی تھی، نہ کہ خود اقدام کر دیا تھا۔ تو اس سلسلے میں قانون کو ہاتھ

---

[19] سنن ابوداود: 4362، السنن الکبری للبیہقی: 13376... تاہم یہ واقعہ سنداً ثابت شدہ نہیں ہے جیساکہ شیخ البانی نے ارواء الغلیل میں 1251 کے تحت اس کی اسناد بیان کیں اور ضعیف ابو داود میں اس کو بوجہ انقطاعِ سند 'ضعیف الاسناد' قرار دیا ہے۔

[20] الصارم المسلول: 235۔

21 صحيح مسلم: كتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها زوجها، رقم 1498۔

22 نبی کریم ﷺ کے سامنے یہودی لڑکے اور شادی شدہ عورت کا بدکاری کا واقعہ پیش کیا گیا اور ایک شخص بولا: فَاقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللَّهِ، وَأْذَنْ لِي (بخاری: 2724 و مسلم) ''ہمارے مابین فیصلہ کریں اور مجھے اجازت دیں۔'' یہی واقعہ ابن عمر سے بھی مروی ہے جس میں عبداللہ بن سلام نے یہودیوں سے تورات پر سے ہاتھ اُٹھانے کو کہا۔ (بخاری: 4556 و مسلم) سیدنا عمر نے حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں دوبار نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگی: فَعَادَ عُمَرُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالمُؤْمِنِينَ، دَعْنِي فَلِأَضْرِبْ عُنُقَهُ (بخاری: 6939) استدلال یوں ہے کہ دورِ نبوی میں لوگ خود فیصلہ کر لینے کے بجائے نبی کریم ﷺ کے پاس آ کر فیصلہ کرواتے اور اجازت طلب کیا کرتے۔

میں لینے والوں سے عدل وانصاف کے تقاضے پورے کیے جائیں گے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ کیونکہ اگر یہ ہر مسلمان پر واجب ہوتا یا اس کا جواز ہوتا تو پھر صحابہ کرام کو اس میں پہل کرنی چاہیے تھی کیونکہ حبِ رسول میں وہ ایک دوسرے سے بڑھ کر تھے،اور سزا نہ دینے والے صحابہ کو کوتاہی کا مرتکب ٹھہرنا چاہیے تھا، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ غرض یہ مسلّمہ شرعی مسئلہ ہے کہ سزاؤں کو نافذ کرنا حاکم کا ہی فرض ہے۔امام بخاری نے صحیح بخاری کے اس باب میں اپنے اسی رجحان کو بیان کیا ہے: **بَابُ الحَاكِمِ يَحْكُمُ بِالقَتْلِ عَلَى مَنْ وَجَبَ عَلَيْهِ، دُونَ الإِمَامِ الَّذِي فَوْقَهُ۔** "یعنی "سزا کو حاکم ہی نافذ کرتا ہے، تاہم ماتحت حاکم اس سزا کو بڑے حاکم کو بتانے کا پابند نہیں۔" محدث امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے دو باب قائم کرکے اپنے رجحان اور متعدد آثار کو پیش کیا: **الدم يقضي فيها الأمراء، الحدود إلى الإمام**[23]"خون کا فیصلہ حکام ہی کریں گے اور حدود کو حاکم کے سپرد کیا جائے۔" امام محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں: **لا يقيم الحد على الأحرار إلا الإمام ومن فوض إليه الإمام۔** "آزاد لوگوں پر حد صرف حاکم ہی قائم کرسکتا ہے، یا وہ جس کو حاکم یہ ذمہ داری تفویض کردے۔اور شافعیہ میں امام یحییٰ بن شرف النووی (م631ھ) نے باب کا عنوان یوں قائم کیا ہے: **لا يقيم الحد على الأحرار إلا الإمام ومن فوض إليه الإمام، لأنه لم يقم حد على حرّ على عهد رسول الله ﷺ إلا بإذنه ولا في أيام الخلفاء إلا بإذنهم، ولأنه حق لله تعالىٰ يفتقر إلى الاجتهاد ولا يؤمن في استيفائه الحيف فلم يجز بغير إذن الامام۔** [24] "آزاد لوگوں پر صرف حاکم ہی حد قائم کرسکتا ہے، یا وہ شخص جس کو حاکم یہ فرض تفویض کردے کیونکہ نبی کریم کے دور میں آپ کی اجازت کے بغیر اور خلفاے راشدین کے دور میں ان کی اجازت کے بغیر آزاد شخص پر کوئی حد قائم نہیں کی گئی۔ مزید برآں یہ اللہ کا حق ہے جو اجتہاد کا متقاضی ہے۔اور اس کو پورا کرنے میں ملامت دباؤ کے بغیر چارہ ہے۔سو حاکم کی اجازت کے بغیر حد لگانا جائز نہیں۔" ایک اور مقام پر امام نووی مزید لکھتے ہیں: **ولايجوز استيفاء القصاص إلا بحضرة السلطان لانه يفتقر إلى الاجتهاد ولا يؤمن فيه الحيف مع قصد التشفي، فإن استوفاه من غير حضرة السلطان عزّره على ذلك۔** "حاکم کی موجودگی کے بغیر قصاص لینا جائز نہیں کیونکہ یہ اجتہاد کا محتاج ہے۔اور اصلاح معاشرہ کی غرض کے باوجود اس کے نفاذ میں دباؤپڑنا لازمی ہے۔ اگر کوئی شخص حاکم کے بغیر ایسا کرے تو اسے سزا دی جائے گی۔" امام ابوبکر البکری شافعی (م1310ھ) لکھتے ہیں: **فلو قتله غيره عُزِّر لافتياته على الإمام۔**[25] "اگر حاکم کے سوا کوئی اور سزا دے تو حاکم کے حق میں دخل اندازی کی بنا پر اسے تعزیر دی جائے۔" امام علاء الدین ابو بکر کاسانی حنفی لکھتے ہیں: **وأما شرائط جواز إقامتها يعني الحدود ... فهو الإمامة۔**[26] "جہاں تو اقامتِ حدود کے جواز کی شرائط کا تعلق ہے تو ان میں حاکم ہونا

---

[23] مصنف ابن ابی شیبہ (مکہ: مکتبۃ الرشد، 1409ھ)، 6: 429، 430 اور 6: 507۔

[24] امام نووی 'المجموع': (بیروت، دارالفکر، 1420ھ)، 20، 34، اور 18، 448۔

[25] ابوبکر بکری شافعی، إعانة الطالبين (بیروت: دارالفکر، 1997ء)، 4: 157۔

26 ابوبکر بن مسعود الکاسانی، بدائع الصنائع (بیروت، دارالکتب العلمیہ، طبع دوم 1986ء)، 7: 57 ۔

شامل ہے۔"امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو عمومی خطاب کے ذریعے حدود اور حقوق نافذ کرنے کی ہدایت کی ہے جیساکہ آیت ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا﴾ میں ہے۔اور یہ بات معلوم ہے کہ حکم کے مخاطب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی قدرت بھی رکھتا ہو اور عاجز شخص پر حکم پورا کرنا واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ حکم قدرت رکھنے والوں پر ہی فرض ہے اور قدرت سے مراد حاکم ہے۔ چنانچہ حدود کو قائم کرنا حاکم اور اس کے نائبین کا فرض ہے۔[27]

جہاں تک امام ابن تیمیہ سے منسوب ہے کہ اہانتِ رسول کا مسئلہ اس عام اُصول سے مستثنیٰ ہے اور اس کی دلیل نابینا صحابی کا واقعہ[28] ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے قانون کو ہاتھ میں لینے کی سزا نہیں دی، تو واضح رہے کہ یہ بات درست نہیں بلکہ امام ابن تیمیہ نے نابینا صحابی کے اقدام کی چھ توجیہات کرکے اس اُصولی جواز سے اتفاق نہیں کیا۔ چنانچہ آپ اس حدیث کی پہلی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ عورت باندی تھی اور صحیح احادیث کے مطابق[29] باندی کو اس کا مالک خود سزا دے سکتا ہے، جیساکہ امام شافعی اور امام مالک کا یہی موقف ہے۔ دوسری توجیہ یہ کہ دراصل یہ سزا دینا تو حاکم کا حق ہے اور یہ حاکم کے حق میں دخل اندازی ہے، تاہم حاکم اس دخل اندازی کو معاف کرنے کا مجاز[30] ہے (اگر چاہے تو معاف کرے، چاہے تو سزا دے لے)، چوتھی توجیہ یہ کی ہے کہ ایسا کرنا صرف عہدِ نبوی میں جائز تھا، فی زمانہ اس کی اجازت[31] نہیں ہے۔الغرض شاتم رسول کو خود قتل کردینے میں جن واقعات سے استدلال کیا جاتا ہے، پیشِ نظر حدیث کے ماسوا باقی سب ہی ضعیف ہیں، جیساکہ پیچھے حواشی میں تینوں روایات کی وضاحت ہو چکی ہے اور یہ حدیثِ اعمیٰ باندی کے بارے میں ہے اور یہاں قاضی نے اپنے حق میں دخل اندازی کو معاف کیا ہے۔ چنانچہ یہ استثنیٰ کے ثبوت کے لئے کافی دلیل نہیں، اور احتمالات سے استدلال ثابت نہیں ہوتا۔ مزید پیچھے تین مستند احادیث بھی گزری ہیں جن مین توہین رسالت کے صدور یا اس کی سزا کے بارے میں

---

[27] مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (سعودیہ، مجمع ملک فہد، 2005ء)، 34: 176۔

[28] فقال رسول الله ﷺ: ألا اشهدوا أن دمها هدر سنن ابوداود؛4361، سنن نسائی؛4075... (إرواء الغليل: 5ر92) بعض احادیث میں اس صحابی کا نام ابن اُمّ مکتوم بھی آیا ہے۔ امام ابن تیمیہ نے دونوں واقعات کے ایک ہونے کا احتمال بتایا ہے: فهذه القصة يمكن أن تكون هي الأولى ويدل كلام الإمام أحمد (الصارم المسلول: 68)۔

[29] أقيموا الحدود على ما ملكت أيمانكم» [رواه أحمد (736) وغيره وحسّنه الأرناؤوط لغيره، ومال الألباني إلى أن هذه الجملة من كلام علي، كما في الإرواء (2325)]، وقوله ﷺ: «إذا زنت أمة أحدكم فليحدها» [رواه أبو داود (4470) وهو في الصحيحين بلفظ: "فليجلدها الحد" (البخاري:2234)]، ولا أعلم خلافا بين فقهاء الحديث أن له أن يقيم عليه الحد، مثل حد الزنا و القذف و الشرب. (الإسلام سؤال وجواب: رقم103739) ... يقول الشيخ ابن تيمية: "وصحّ عن حفصة أنها قتلت جارية لها اعترفت بالسحر" (الصارم المسلول: 286)۔

[30] الوجه الثاني: أن ذلك أكثر ما فيه أنه افتئات على الإمام والإمام له أن يعفو عمن أقام حدًا واجبا دونه۔

[31] الوجه الرابع: أن مثل هذا قد وقع على عهد رسول الله ﷺ... (الصارم المسلول: 286)۔

نبی ﷺ سے استفسار کرنا ثابت ہے۔ یہی موقف فی زمانہ مکہ مکرمہ کے نامور عالم شیخ محمد صالح المنجد نے بھی اختیار کیا ہے، فتویٰ لکھتے ہیں:

> شاتم رسول کا (خود) عادلانہ فیصلہ کر دینا علما کا موقف نہیں، بلکہ عوام الناس کی رائے ہے کیونکہ علما تو اس پر متفق ہیں کہ یہ خلیفہ، حاکم یا اس کے نائب کا ہی کام ہے۔ اور اس سزا کو بھی قاضی کے فیصلے سے ہی نافذ کیا جانا چاہیے جو دنیا میں لوگوں کے معاملات کا ذمہ دار ہے۔ نبی کریم بھی لوگوں کے مابین فیصلہ فرمایا کرتے، اور ان کے اقوال وافعال کا فیصلہ کرتے۔ جب آپ فوت ہوگئے تو یہ صحابہ وتابعین اور حکام کا کام تھا۔ شرعی مصلحت بھی حتمی طور پر اسی کی متقاضی ہے کیونکہ اگر یہ معاملہ لوگوں کے سپرد کر دیا گیا، تو ہر شخص اپنے زعم کے مطابق اسلام سے مرتد کو قتل کرنے لگے گا، جو بھی شخص بے حیائی کا ارتکاب کرے، اس پر حد نافذ کردے گا، ایسے تو معاشرے میں خون بہنا شروع ہو جائے گا، لوگوں کے حالات مضطرب اور ان کے معاملات ومسائل میں بدامنی پھیل جائے گی۔

سیرت اور سنتِ نبویہ میں مذکور واقعات جن کا سوال میں تذکرہ ہے، وہ اس بنیاد سے متفق ہیں، متعارض نہیں بلکہ ان سے یہی پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ نبی مکرم ﷺ ہی اقامتِ حد کا حکم دیا کرتے، اور ثبوت پورا ہونے کے بعد مستحق قتل کے قتل کا حکم دیتے۔ نبی کریم اپنے دور میں نبوتِ معصومہ کے ساتھ ساتھ قاضی، حاکم اور فیصلے کے مناصب پر بھی فائز تھے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ 'الصارم المسلول' میں کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ محض اپنے علم یا خبر واحد، یا وحی سے فیصلے نہیں فرمادیتے تھے، نہ ہی نرے دلائل وشواہد سے، حتیٰ کہ گواہی یا اعتراف کے ذریعے سزا کا وجوب ثابت نہ کرلیتے۔ چنانچہ جو شخص آج شرعی فیصلہ سے بالا بالا ہی قانون ہاتھ میں لے، اور سنت نبویہ کے بعض واقعات کی نام پر اپنے تئیں نفاذِ حدود شروع کردے تو اس نے کمزور بات اور بے کار دلیل کو اختیار کیا ہے۔[32]. چنانچہ امام ابن تیمیہ نے سزا دینا اصلاً حق حاکم قرار دیا ہے اور کہا کہ قاضی چاہے تو اپنے حق کو چھوڑ سکتا ہے، جیسا کہ نابینا صحابی کے واقعے میں ہوا کہ یہ فیصلہ عدالتِ نبوی سے صادر ہوا۔ زیادہ سے زیادہ یہ واقعہ، اس جیسے از خود ہو جانے والے حتمی توہین رسالت کے واقعات میں عدالت کے فیصلے کے بعد، قتل کرنے والے سے رعایت کی نظیر بن سکتا ہے، لیکن اس سے بڑھ کر اس سے عدالت سے بالا بالا ہی قبل از واقعہ ایک اُصولی جواز بیان کرنا کہ توہین رسالت پر قانون کو ہاتھ میں لینا جائز ہے، اصل واقعہ سے زائد مطالب کا استخراج ہے۔ اور پیچھے توہین رسالت کے صدور کے سلسلے میں صحابہ کرام کے نبی کریم ﷺ سے استفسارات اور نبی کریم ﷺ سے اجازت لینا بھی ثابت شدہ امر ہے۔ چنانچہ کسی گناہ کی سزا نہ دینے سے اس کا جواز معلوم نہیں ہو جاتا، بلکہ سزا نہ دینے کی بہت سی وجوہات

---

[32] فتویٰ 'الاسلام سؤال وجواب': نمبر 228482... هل يجوز لآحاد الناس قتل المرتد دون حكم القضاء نیز فتوی نمبر 103739 حول حديث الاعمى الذى قتل أم ولده میں انہوں نے امام ابن تیمیہ کی حدیثِ اعمیٰ پر چھ توجیہات سے اتفاق کیا ہے۔

اور حکمتیں ہوسکتی ہیں۔ مذکورہ بالا تفصیل سے علم ہوتا ہے کہ توہین رسالت پر خود سے سزا کی تلقین کرنا، اوّل تو صریح دلائل کا محتاج ہے، اگر اس کے جواز کا کچھ امکان بھی ہو تو ایسا دورِ نبوی میں ہی ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ کا موقف گزرا، کیونکہ اس دور میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو حقیقتِ واقعہ سے باخبر کردیتے، صحابہ کرام بھی عادل ہونے کے ناطے جھوٹ سے احتراز کرتے۔ بعد کے اَدوار میں جب لوگوں کے ایمان وتدین کی وہ کیفیت نہ رہی، تو اس وقت اہانتِ رسول پر قانون کو ہاتھ میں لینے کے اُصولی جواز سے گریز ہی ہوگا۔ مزید برآں حاکم کے لیے کسی جرم کی تعزیر قائم کرنا بھی مشروع ہے، اور جب پاکستانی قانون کی رو سے یہ جرم ہے تو پھر پاکستان میں اسے جرم ہی قرار دیا جائے گا۔

توہین رسالت کے غلط الزام کی روک تھام: چونکہ توہین رسالت کا جرم بڑا سنگین ہے اور اس قانون کا ناجائز استعمال بھی بڑھتا جارہا ہے اور ملزم پر اس کے اثرات بھی بڑے سنگین پڑتے ہیں۔ اس لیے ایسے جرم کا الزام اور دعویٰ کرنے والے پر بھی کڑی نگرانی ہونی چاہیے۔ اور اس کو ثابت نہ کرسکنا بھی موجبِ سزا بنایا جاسکتا ہے، جیسا کہ اسلام میں زنا ایک سنگین جرم ہے، اور جو شخص اس جرم کا الزام لگاتا ہے، یا تو وہ چار گواہوں کے ذریعے اسے ثابت کرنے کا پابند ہے، وگرنہ اس کو تہمت کی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اسلامی تاریخ میں ایسے واقعات موجود ہیں کہ زنا کا جرم ثابت نہ کرسکنے پر شکایت کرنے والے کو خود تہمت کی سزا کا سامنا کرنا پڑا، جیسا کہ درج ذیل واقعہ ہے جو قسامہ بن زہیر سے مروی ہے: کہ (آغاز میں ابو بکرہ کے مغیرہ بن شعبہ پر الزامِ زنا اور اختلافات کا تذکرہ ہے جس کے بعد سیدنا عمر نے انہیں امامت سے منع کرکے گواہوں کو طلب کرلیا۔) سو ابو بکرہ، شبل بن معبد اور ابو عبد اللہ نافع نے گواہی دے دی۔ تین گواہیاں پوری ہونے پر سیدنا عمر بولے: مغیرہ کی سزا چار گواہیوں پر ہوگی، اور سیدنا عمر کے لئے مغیرہ پر یہ الزام بہت بھاری ہوگیا۔ جب زیاد کھڑا ہوا تو عمر بولے: گواہی صرف حق کی ہی دینا۔ سو زیاد نے یوں گواہی دی کہ "جہاں تک زنا ہے تو میں اس کی تصدیق نہیں کرسکتا، البتہ میں نے ایک قبیح کام دیکھا ہے۔" سیدنا عمر نے کہا: اللہ اکبر! ان تینوں کو تہمت کی حد لگاؤ، سو ان تینوں کو تہمت کی سزا لگی۔ جب ابو بکرہ کو تہمت کے کوڑے لگ گئے تو ابو بکرہ کھڑے ہوگئے اور اصرار کرنے لگے: میں گواہی دیتا ہوں کہ مغیرہ زناکار ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر نے ان پر تہمت کی سزا دہرانے کا ارادہ کیا تو سیدنا علی نے روکا اور کہا: اگر آپ انھیں دوبارہ تہمت کی سزا لگاتے ہیں تو پھر اس چوتھی گواہی کی بنا پر مغیرہ کو رجم بھی کرنا ہوگا۔ چنانچہ عمر نے ان کو چھوڑ دیا اور دوبارہ کوڑے نہ لگائے۔ چنانچہ دو کے بعد ابو بکرہ نے پھر بہتان نہ لگایا۔[33] اس مستند واقعہ[34] سے علم ہوتا ہے کہ غلط الزامِ زنا پر بھی سزائے تہمت کا تصور شریعتِ مطہرہ

---

[33] مصنف ابن ابی شیبہ: رقم 28824، وعنہ البیہقی: 8/334، 335 ... شیخ البانی نے اس قصہ کو ارواء الغلیل میں صحیح قرار دیا ہے۔ (8: 28، رقم 2361، المکتب الاسلامی، 1985ء)۔

[34] ممکن ہے کہ اس واقعہ سے سیدنا مغیرہؓ بن شعبہ کے بارے میں مغالطہ ہو، تو واضح رہے کہ بصرہ میں ان کا اور سیدنا ابوبکرہؓ کا گھر ایک ہی گلی میں تھا۔ چند لوگ ابوبکرہ کے پاس جمع تھے کہ تیز ہوا چلنے سے دروازے کھل گئے، ابوبکرہ جب کھڑکی بند کرنے اُٹھے تو ان کی

میں موجود ہے جو کہ بظاہر زنا تک محدود ہے لیکن فی زمانہ اسے اہانتِ رسول کی تہمت تک وسیع کیا جاسکتا ہے، یا اس جرم کے غلط استعمال کی حوصلہ شکنی کے لئے حد قذف کو سامنے رکھتے ہوئے بطورِ تعزیر اُصولی قانون سازی بھی کی جاسکتی ہے۔ کم از کم عدالت ایسے اشخاص کے لیے جو اس قانون کا غلط استعمال کرتے ہیں اور ان کی بدنیتی ثابت ہو جاتی ہے، اور وہ قرائن سے بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ توہین رسالت کا جرم واقع ہوا تھا، تو ایسے لوگوں کو کڑی سزا دی جائے کیونکہ وہ لوگوں کے ایمان اور زندگیوں سے کھیلنے کے سنگین جرم کے مرتکب ہوئے ہیں اور بعض صورتوں میں یہ اقدامِ قتل کی کوشش بھی بن جاتی ہے، جیسا کہ خاں عبد الولی خاں یونیورسٹی کے طالبعلم مشعال خاں کیس 2017ء کی بعض تفصیلات سے اس کا علم ہوتا ہے۔ توہین رسالت کے جرم کی سنگینی، حساسیت اور عالمی سطح پر باعثِ نزاع ہونے کے ناطے، اس جرم کی فوری، تیز تر اور میڈیا سے بالاتر بند کمرے میں تفتیش کو بھی متعارف کرایا جاسکتا ہے۔

خلاصۂ بحث

شریعت اسلامیہ کے مطابق توہین رسالت کی سزا موت ہے، لیکن توہین کے الزام کے ضمن میں یہ تحقیق ضروری ہے کہ کسی موقع پر کوئی شخص، جس پر توہین رسالت کا الزام لگایا جارہا ہے، توہین کا مرتکب ہوا بھی ہے یا نہیں! ہماری سوسائٹی میں اس حوالے سے جو بے احتیاطی ہوتی ہے، اس کی وجہ سے بہت سے پیچیدہ مذہبی و معاشرتی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ اس تحقیق سے واضح ہوا کہ توہینِ رسالت کے مسئلے پر قانون کو ہاتھ میں لے کر ملزم کو از خود سزا دینے کی کوشش کرنا شرعی نقطۂ نظر سے غلط اقدام ہے۔ اسی طرح کسی شخص کے بارے میں خود سے یہ طے کرلینا کہ اس نے فلاں الفاظ کے ذریعے توہین کا ارتکاب کیا ہے، یہ بھی شریعت اور مقاصدِ شریعت کے خلاف ہے۔ ہماری معاشرے میں دوسروں سے مذہبی و معاشرتی مختلف طرح کے اختلافات یا جہالت و نادانی کی بناپر بہت دفعہ لوگ جھوٹا یا غلط الزام لگا دیتے ہیں۔ لہٰذا جہاں توہین رسالت کے قانون کے نفاذ کی بات کی جاتی ہے، وہاں اس امر کو بھی لوگوں کے ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہے کہ وہ اس ضمن میں قانونی راستہ ہی اختیار کریں، اور کسی بھی صورت میں قانون کو ہاتھ میں نہ لیں۔ نیز قانون ہاتھ میں لے کر کسی کو توہین کے الزام میں قتل کرنے والوں کو قانون کے مطابق سزا دی جائے۔

نظر سیدنا مغیرہ پر پڑی جو اپنی بیوی کے ساتھ مشغول تھے۔ موجود لوگوں کو غلط فہمی ہوئی کہ یہ ام جمیل نامی خادمہ عورت ہے۔ گواہی کے موقع پر سیدنا مغیرہ نے یہ استفسار کیا کہ وہ میری بیوی تھی، اور ان لوگوں نے مجھے پیچھے سے دیکھا تو یہ عورت کو دیکھ نہیں پائے، چنانچہ زیاد نے عورت کے بارے میں کنفرم نہ کیا اور گواہی پوری نہ ہوسکی۔ یہ مکمل واقعہ تفسیر احکام القرآن از ابو بکر بن العربی میں دیکھا جاسکتا ہے۔ دیکھیے: (3: 347 ، زیر آیت النور: 4۔)